عورت کا درجہ اسلام میں

مولانا سید محمد عبادت صاحب قبلہ امام جمعہ و جماعت امروہہ

دین فطرت اور صنف لطیف

بنی نوع انسان کے لئے ایک ایسے قانون کی اور ایسے آئین کی ضرورت تھی جو اس کو اخلاقی پستی سے اٹھا کر بلند کردار کی عظمت تک پہنچا دے اور اس کی رسائی اسی کے اس حقیقی مقام تک ہو جائے جو واقعاً اس کا مقام ہے یعنی جہاں پہنچ کر وہ تمام مخلوقات میں افضل نظر آنے لگے، اس لئے کہ یہ خالق کی وہ عظیم مخلوق ہے جس کو خلق فرما کر اس نے اپنی خلاقی پر بجا طور پر ناز فرمایا ارشاد ہوا۔ فتبارك الله احسن الخالقين ۔ خلاق عالم نے اپنی سنت جاریہ کے ماتحت جس طرح تمام جانداروں کو زوج و زوجہ پیدا کیا بالکل اسی طرح انسان کو بھی زوج و زوجہ پیدا کیا اور دیگر حیوانات کی طرح اس کی فطرت میں بھی خواہش تناسل کو رکھ دیا اور اس نے مرد و عورت شوہر و زوجہ کے باہمی تعلقات کو قائم کرنے اور ان تعلقات کو باحسن طریق باقی رکھنے کے لئے قوانین بنائے۔ چونکہ عورت کو اس نے نرم و نازک بنایا اور اس کے بامقابل مرد کو سخت و قوی بنایا تھا اس لئے مرد کو کارگاہ حیات میں زیادہ محنت و مشقت کا مکلف بنایا اور اس پر عورت کا نفقہ فرض کر دیا اور غالباً یہی بات تھی جس کے سبب عورت کے مقام سے اس کے مقام کو ایک درجہ بلند قرار دیا لیکن فرائض حیات میں اسے ہر ایک فریضہ میں ان دونوں کے اشتراک باہمی کو لازم و ملزوم بنا دیا۔ جہاں مرد کی فطرت میں عورت کی طرف میلان خصوصی رکھا، وہاں عورت کی فطرت میں بھی اس میلان کو قبول کرنے اور اس کو نبھانے کی کیفیات ودیعت فرمادیں اور مرد کی طرف ایک رغبت خصوصی رکھ دی۔ دونوں کو انسان قرار دیا دونوں کو اپنے اوامر و احکام کا مساوی مامور بتایا سوائے ان چند احکام کے جو مختلف اصناف کے لئے اپنی خصوصیات خاصہ کی وجہ سے مخصوص ہوتے ہیں، جتنے احکام عمومی ہیں ان کے استعمال میں دونوں صنفین برابر کی حیثیت کی مامور ہیں۔ ایمان باللہ ایمان بالرسول ایمان بالکتاب، ایمان بالقیامہ جس طرح مرد کے لئے ضروری ہے اسی طرح عورت کے لئے بھی ضروری ہے۔ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ و خمس وامر بالمعروف نہی عن المنکر نیز تولّا و تبرا جس طرح مرد پر واجب ہے اسی طرح عورت پر بھی واجب ہے۔ البتہ جہاد کی وہ شق جو جہاد بالسیف ہے چونکہ عورت کی نزاکت اس کی متحمل نہ تھی اس لئے اس پر سے اس کو ساقط قرار دیا۔ یہ ملحوظ خاطر رہے کہ محض ساقط کیا ہے، حرام قرار نہیں دیا ہے۔ اب رہیں جہاد کی دوسری قسمیں خواہ وہ جتنی بھی ہوں ان سب میں عورت بھی اسی طرح مکلف ہے جس طرح مرد مکلف ہے۔ مقتضائے عدل یہ تھا کہ جس کو اس نے نرم و نازک اعضا عطا فرمائے ہیں اس پر سخت قسم کی خدمات کا بار نہ ڈالے لہٰذا جہاد بالسیف سے اسے علیحدہ رکھنا تھا بالکل اسی طرح کہ ماہ رمضان کے روزوں کا وجوب ان لوگوں پر نہیں ہے جو بیمار ہیں۔ روزے تندرستوں پر ہی واجب ہیں۔ حج صرف ان لوگوں پر واجب ہوتا ہے جو اس کے لئے استطاعت رکھتے ہوں، غیر مستطیع حضرات پر حج واجب نہیں ہے۔ اب اس کے بعد سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ دونوں صنفیں انسان کی نوع میں سے ہیں اور دونوں ہی تکلیف میں مشترک ہیں تو پھر ان میں سے ایک کو مالک دوسرے کو مملوک ایک کو خادم دوسرے کو مخدوم کیوں بنایا گیا؟

تمام اختیارات تمیزی صرف مرد ہی کو کیوں سونپ دئے گئے؟ کیا یہ سب کچھ مقتضائے عدل کے موافق ہے تو مجرد عقل تو یہی بتاتی ہے کہ یہ صورت موافق عدل نہیں ہے، عدل کا تو تقاضا یہ ہے کہ جب تکلیفات میں دونوں مشترک ہیں تو دونوں کا مقام اور دونوں کی منزل ایک ہی ہونا چاہئے البتہ مذاہب عالم کے احکام اس سلسلہ میں مختلف نظر آتے ہیں۔ہمیں کسی مقام پر بھی نہ تو کسی مذہب کی تحقیق وتردید مقصود ہے اور نہ گوارا ہی ہے۔ ہاں ارباب مذاہب سے ہمیں شکایت ضرور ہے کہ انہوں نے اپنے اپنے مذہبوں کو اپنی خواہش کے مطابق ڈھالنے کی کامیاب کوششیں کی ہیں جن کے باعث بہت سے مفاسد پیدا ہوگئے اور انسان کا ایک طبقہ مذہب سے متنفر ہوگیا۔ خواہ ہندو دھرم ہو یا یہودیت وعیسائیت خواہ مجوسیت ہو یا بدھ ازم اور کنفیوشش ازم اور عیسائیت ان سب کے ماننے والوں نے اپنی فطری طاقت وقوت وصلاحیت سے بڑے بڑے ناجائز فائدے حاصل کئے ہیں، قوی کو بلند سے بلند تر بنایا اور پست کو اور کمزور کو پست تر کردیا۔ اور مصیبت یہ ہوئی کہ اسلام کے ماننے والوں نے بھی اپنے ماسبق لوگوں کی پیروی میں بڑی جدوجہد کی اور بعض مقامات پر احکام اسلامی کی بالکل اسی طرح تاویلات کردیں جس طرح اور مذاہب والوں نے اپنے بزرگوں کے احکام کو تاویلات کرکے ان کو اپنی خواہش کے مطابق بنالیا تھا۔ کتنے مقامات ایسے ہیں جہاں مکمل مسلمین صریحاً روح آئین اسلام کے بالکل مخالف ہے۔ مثلاً تعلیم نسواں ہی کو لے لیجئے کہ حدیث رسول ''**طلب العلم فریضة علیٰ کل مسلم ومسلمه**'' (طلب علم ہر مسلم ومسلمہ پر فرض ہے) کی موجودگی میں کتنے فتوے مفتیان شرع متین نے حرمت تعلیم نسواں کے سلسلہ میں دئے۔ بعض علوم عقلیہ کی حرمت میں کتنے ہی فتوے دفاتر افتا سے دئے گئے۔ بعض مقام پر تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ استنباط احکام میں روح آئین اسلامی کو پیش نگاہ رکھا ہی نہیں گیا۔ بالکل وہی صورت حقوق نسواں سے متعلق نظر آتی ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اللہ نے جتنے بھی حقوق دئے ہیں وہ سب کے سب صرف مردوں ہی کو دئے ہیں انسان کی آدھی تعداد یعنی عورت اس سے شاید بالکل محروم ہے۔ بلاشبہ اللہ کے نزدیک مردوں سے عورت ایک درجہ کم ہے اور عورت سے مرد ایک درجہ اونچا ہے۔ بے شک میراث میں ان کا حصہ مردوں سے نصف ہے اور مردوں کا ان کے مقابل دوگنا ہے۔ یقیناً گواہی کے سلسلہ میں دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کے برابر ہے لیکن تمام باتوں کے باوجود ان کا کوئی مقام ہے تو اسلام نے تو صنف نازک کو اس دور میں حقوق انسانیت سے روشناس کرایا جب عورتوں کو مثل جانوروں کے صرف ایک جاندار کی حیثیت دی جاتی تھی، عورت صرف ایک لونڈی تھی، اس کو انسان کی اس ماں کا مرتبہ عطا کیا جس کے پاؤں کے نیچے بہشت ہے۔ کہاں تو مذاہب عالم کا یہ تصور کہ اولاد وزن معرفت خداوندی اور عبدیت حقیقی کی راہ میں سب سے بڑا پتھر ہیں۔ بائبل میں ہے ''پھر جب مے ہوچکی تو یسوع کی ماں نے اس سے کہا کہ ان کے پاس مے نہیں رہی۔ یسوع نے اس سے کہا کہ اے عورت تجھ سے کیا کام ہے؟ ابھی میرا وقت نہیں آیا۔ (یوحنا باب ۲ آیت ۳، ۴) پھر اس کی ماں اور اس کے بھائی اس کے پاس آئے مگر بھیڑ کے سبب اس تک نہ پہنچ سکے اور اسے خبر دی گئی کہ تیری ماں اور تیرے بھائی باہر کھڑے ہیں اور تجھ سے ملنا چاہتے ہیں۔ اس نے جواب میں آیت کہا کہ میری ماں اور میرے بھائی تو یہ ہیں جو خدا کے کلام کو سنتے ہیں اور اس پر عمل کرتے ہیں (لوقا باب ۸ آیت ۱۹-۲۰-۲۱) ہمارا ذہن اور ہمارا شعور مذہبی اس بات کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہے کہ جناب عیسیٰ نے معاذ اللہ ایسا کچھ کیا ہوگا لیکن حضرت کے صعود کے بعد عیسائیت کی جو محرف صورت بنی اس نے دنیا کو رہبانیت کی راہ پر لگانے کے لئے حضرت سے یہ سب کچھ منسوب کردیا۔ تو ایک طرف تو ہم عیسائیت کی یہ تعلیم دیکھتے ہیں اور دوسری طرف جب ہم اسلام کی تعلیم پر نظر کرتے ہیں تو ہمیں ایک جلیل القدر انسان نظر آتا ہے، جو رسولؐ اسلام کا عاشق صادق ہے اور جس کا نام

نامی اویس قرنی ہے۔ ہر عاشق اپنے محبوب کے دیدار کا متمنی ہوا کرتا ہے اویس کو بھی دیدار رسولؐ کی بڑی حسرت اور بڑی تمنا تھی۔ اس عاشق صادق نے اپنی تمنا کا اظہار رسولؐ پر بذریعہ پیغام کیا لیکن رسول اسلام کی طرف سے حکم ہوا کہ تم اپنی بوڑھی ماں کی خدمت کرتے رہو، تمہارا اپنی ماں کی خدمت کرنا ہمارے دیدار سے اللہ کے نزدیک زیادہ پسند ہے، لہٰذا جب تک وہ زندہ ہے تم اسے چھوڑ کر ہمارے دیدار کے لئے ہرگز نہ آنا۔ چنانچہ محبوب کی وفات ہوگئی اور اویس باوجود قوت وطاقت سفر محض اپنی ماں کی خدمت کے باعث زیارت رسولؐ سے مشرف نہ ہوسکے۔ یہ ایک عملی تعلیم ہے آئین اسلام کی طرف سے اس عورت کے لئے جواب تک مثل پالتو جانور کے خیال کی جاتی تھی۔

عورت کی تین حیثیات ہیں۔ والدین کے مقابلہ میں وہ بیٹی ہے، شوہر کے مقابلہ میں وہ بیوی ہے اور اولاد کے مقابلہ میں وہ ماں ہے، ماں کی حیثیت میں اسلام نے جو کچھ احترام عورت کا کیا ہے ہم اس کی ایک جھلک دکھا ہی چکے۔ اب ہم بہ حیثیت بیٹی کے جناب فاطمہ زہراؑ کی مثال پیش کرتے ہیں اس میں کوئی شک نہیں کہ جناب فاطمہؑ اللہ کی طرف سے کچھ مخصوص فضائل کی حامل ہیں بے شک آپؑ سیدۂ نساء العالمین ہیں لیکن ان کے پدر بزرگوار تو اس عظمت کے حامل ہیں کہ ان ہی کے لئے یہ کہنا بالکل درست اور صحیح:

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر، تو یہ بیٹی جب اپنے پدر بزرگوار کی خدمت میں حاضر ہوئیں تو سردار انبیاءؐ حبیب خدا سروقد تعظیم کے لئے کھڑے ہوجاتے ہیں اور اپنی جگہ بٹھا کر آنے کا سبب دریافت فرماتے اسوہ حسنہ رسول میں یہ عمل ہمیں اس طرف لے جاتا ہے کہ باپ کو بیٹیوں کی عزت کرنا زیب دیتا ہے۔ رہی عورت کی حیثیت بطور زوجہ کے تو اس معاملہ میں کردار رسولؐ اور عمل ائمہ کرام اہل بیت صلوٰۃ اللہ علیہم اجمعین بہت واضح اور صاف ہے۔ باوجود تعدد ازدواج کسی وقت بھی کسی بیوی کو رسولؐ اسلام سے کسی طرح کوئی شکایت نہ ہوسکی۔ بہ حیثیت شوہر کے کسی زوجہ کو بھی حضرت سے کوئی ہلکی سی بھی تکلیف نہیں پہنچ سکی۔ پیغمبر اسلام کا یہ عمل تمام دنیا کے مردوں کے لئے ایک بہترین نمونہ ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ سوائے صاحبان عصمت کے ہر انسان میں خواہ وہ مرد ہو یا عورت کوئی نہ کوئی کمزوری ضرور ہوتی ہے مگر اس کمزوری سے کسی شخص کا ناجائز فائدہ حاصل کرنا عندالعقل مستحسن وممدوح نہیں ہے اور اس میں بھی شک نہیں کہ جس طرح مردوں میں کچھ کمزوریاں ہوتی ہیں اس کی نسبت سے عورتوں میں کچھ کمزوریاں زیادہ ہوتی ہیں اور غالباً اسی تقابل کے باعث دین فطرت نے مرد کو عورت سے ایک درجہ بلند رکھا ہے مگر باوجود اس حقیقت کے:

نہ ہر زن زن ست ونہ ہر مرد مرد
خدا پنج انگشت یکساں نہ کرد

عورتوں میں بھی بعض عظیم شعور اور عظیم کردار کی مالک ہوتی ہیں اور مردوں میں بھی بعض پست تر شعور والے اور پست تر کردار والے پائے جاتے ہیں۔ چونکہ کلیہ اکثریت کے مطالعہ سے بنایا جاتا ہے اس لئے تمام عورتوں پر تمام مردوں کو فضیلت ہوگئی مگر یہ ملحوظ خاطر رہے کہ یہ فضیلت صنفی ہے شخصی نہیں ہے، اس لئے کہ پیدائش جناب مریمؑ پر جب مادر مریمؑ نے بعالم مایوسی یہ کہا کہ **وضعتها انثیٰ** پالنے والے یہ تو میں نے لڑکی پیدا کی تو اس کہنے پر جناب احدیت کی طرف سے ارشاد ہوا ہے کہ اللہ ہی صرف جانتا ہے کہ اس نے کیا پیدا کیا اور لڑکا لڑکی کے برابر نہیں ہوسکتا ارشاد مذکور نے عورتوں کی عظمت اور فضیلت کو سہارا دیا اور اس میں شک نہیں کہ جیسا انہوں نے لڑکا مانگا تھا اس سے ہر طرح بلند تر مرتبہ کی ان کو لڑکی عطا کی گئی۔ ایک زمانہ تک تو جناب حوا کی عظمت نے عورتوں کی عظمت کو ظاہر کیا اور جناب سارہ کے لئے جناب ابراہیمؑ کو یہ حکم دے کر جو کچھ سارہ کہیں اس کو پورا کرو خداوند عالم نے عورت کے مقام کو واضح فرمایا لیکن جس طرح جناب مریمؑ کے ذریعے عظمت نسواں ظاہر ہوئی وہ اپنی مثال آپ ہی ہے اور

ان کے بعد رسولؐ اسلام کے کردار نے اس عظمت میں ایسا اضافہ کیا جو اپنے مقام پر اس سلسلہ میں قیام قیامت تک کے لئے برہان قاطع بن گیا۔

جناب اقدس الٰہی کا ارشاد ہے **وللرجال علیھن درجة** یعنی مردوں کو عورتوں پر ایک درجہ کی بلندی حاصل ہے تو جہاں یہ ارشاد ہے، وہاں یہ بھی فرمایا کہ وہ تمہارے لئے لباس ہیں اور تم ان کے لئے لباس ہو دونوں صنفوں کے لئے ایک لفظ لباس ہی استعمال فرمایا۔ لباس وہ شے ہے جس سے انسان اپنا تن ڈھانکتا ہے اور اپنے جسم کو آرام پہنچاتا ہے اور لباس انسان کے لئے زینت بھی ہے اس کے علاوہ لباس اس کی عیب پوشی بھی کرتا ہے نیز لباس عقل وشعور اور تہذیب وتمدن کی علامت بھی ہے یعنی مقام تہذیب وتمدن میں مقام عقل وشعور میں جو کچھ مرد عورتوں کے لئے ہو وہی عورت مرد کے لئے ہے۔ جس طرح عورتیں مردوں کی عیب پوشی کریں اسی طرح مردوں کو بھی عورتوں کا عیب پوش ہونا چاہئے جس طرح عورتیں مردوں کے لئے آرام کا سامان مہیا کریں اسی طرح مردوں کو بھی عورتوں کے لئے آرام کے اسباب مہیا کرنا چاہئے۔ جس طرح عورتوں کو اپنے کردار کے ذریعہ مردوں کے واسطے وجہ زینت وسبب افتخار بننے کی کوشش کرنا چاہئے اسی طرح مردوں کو بھی اپنے عمل کے ذریعہ عورتوں کے لئے باعث زینت اور سبب افتخار وناز بننا چاہئے ان باتوں کے علاوہ لباس ایسی شے ہے جس کو نہ جسم سے چھوٹا ہونا چاہئے نہ بڑا ہر ذی عقل وذی شعور مطابق جسم ناپ تول کر لباس بناتا ہے اور استعمال کرتا ہے لباس نہ تو چھوٹا ہی ہونا چاہئے اور نہ بڑا بلکہ برابر ہونا چاہئے۔ اس طرح بھی دونوں کے لئے شان ظاہر ہوتی ہے بہر حال لفظ لباس کو استعمال فرما کر جناب احدیت نے معجزانہ عنوان سے تمام تر تعلقات زن وش کو اور پورے آئین زینت کو بطور ایجاز ظاہر فرما دیا۔

اسلام دین فطرت ہے اس لئے اسلام وہی کچھ کہتا ہے جو مقتضائے فطرت ہوتا ہے، ہم جب فطرت کا مطالعہ کرتے ہیں جو ہر جوڑے میں نر کو قوی اور مادہ کو اس کے مقابل ضعیف پاتے ہیں۔ آپ سارے حیوانات کا جائزہ لے لیجئے۔ آپ کو تقریباً ہر جگہ یہی صورت نظر آئے گی یعنی نر کو فطرت نے مادہ سے ایک درجہ بلند رکھا ہے۔ انسان بھی ایک حیوان ہے، چاہے وہ حیوان ناطق واشرف المخلوقات سہی لیکن اصول فطرت اس کے یہاں بھی وہی ہیں جو عام حیوانوں میں ہیں لہذا زن ومرد کی مکمل مساوات کا مطالبہ یا ادعا اصول فطرت کی مخالفت ہے۔ ہوسکتا ہے کہ کوئی عورت عام مردوں سے قوی تر ہو یا عام مردوں سے ذہین تر ہو لیکن حکم مخصوص کو دیکھ کر نہیں لگایا جاتا ہے بلکہ کلیہ استقراء عام کے بعد بنایا جاتا ہے۔ جب ہم عموم مرد وزن کا جائزہ لیں گے تو ہم یہ بات ماننے پر مجبور ہو جائیں گے کہ مکمل مساوات ان دونوں صنفوں میں خلاف فطرت ہے جس کا زیادہ دیر باقی رہنا ناممکن ہے۔ یہ انسان کی دو صنفیں ہیں جن کے فرائض ان کی لیاقت اور قابلیت کے لحاظ سے متعین کئے جانے چاہئیں نہ تو وہ ہر کام جسے مرد آسانی سے انجام دے سکتا ہے، ہر عورت خوبی سے انجام دے سکے گی اور نہ وہ ہر کام جس کے لئے عورت مناسب ہے، عام مرد کے بس کا ہے۔ لہٰذا تخیل مساوات کلی ایک ایسا تخیل ہے جو بالکل غیر حقیقی ہے۔ فطرت نے مرد کو عورت پر غلبہ عطا کیا ہے۔ وہ بہر صورت غالب رہے گا مگر اس کو اپنے غلبہ سے ناجائز فائدہ حاصل کرنا کسی طرح بھی مناسب نہیں اس لئے کہ جس طرح مساوات کلی خلاف فطرت ہے، اسی طرح غلبہ سے کہیں بھی ناجائز فائدہ حاصل کرنا خلاف انسانیت ہے۔ اسی لئے جناب امیر علیہ السلام نے عورتوں کی حمایت اور ان کی طرف سے مدافعت کی وصیت فرمائی اور ان وصایا ہی میں ایک مقام پر یہ فرمایا کہ عورت ایک پھول ہے، یہ تمہاری خدمت گار نہیں ہے۔ (دیکھئے وصایائے امیر المومنینؑ)

ابتدائی دور مدنیت میں مردوں نے اپنی قوت اور اپنے غلبہ کے ذریعہ عورت کے رہے سہے حقوق جو اسے فطرت نے عطا کئے تھے ان کو چھیننا شروع کر دیا تھا یہاں تک عورت خدمت گار

بنی، عورت مرد کا کھلونا بنی، عورت مملوک اور لونڈی بنی، عورت کا اس دنیا میں کوئی حق باقی نہ رہا بلکہ بعض مسلکوں نے تو اس کے لئے اس کے شوہر کو خدا کا مرتبہ عطا کر دیا اور عورت کو اپنے شوہر کی پرستش کا حکم دے دیا اور کہہ دیا کہ یہی اس کے لئے اللہ کی عبادت ہے۔ مگر رسولؐ اسلام نے جہاں عام انسانوں کو اس کے حقیقی مقام سے روشناس کرایا وہاں عورت کو بھی خصوصیت کے ساتھ اس کا کھویا ہوا مقام عطا کیا اور اپنے عمل اور اپنے قول سے اسے قعر مذلت سے نکال کر عظمت کی بلندیوں تک پہنچا دیا۔ خطبہ حجۃ الوداع میں جہاں امت کو ضروری وصیتیں فرمائیں، وہاں مردوں کو حقوق زنان کی طرف سے خصوصیت سے متوجہ فرمایا۔

ارشاد ہوا: اے لوگو تمہاری عورتوں کا تم پر ایک حق ہے اور ان پر تمہارا حق ہے۔ تمہارا حق ان پر یہ ہے کہ وہ تمہارے فرش پر کسی غیر مرد کو نہ لٹائیں اور تمہارے گھر میں بغیر تمہاری اجازت کے کسی غیر مرد کو داخل نہ کریں اور یہ کہ کوئی شرمناک عمل نہ کریں اور اگر وہ خواہش کی مرتکب ہوں تو تمہیں اللہ نے اجازت دی ہے کہ ان کے کردار کو درست کرنے کے لئے تم انہیں ایک جگہ کا پابند کر سکتے ہو۔ پس جب وہ شرمناک افعال سے باز آجائیں اور اس سلسلہ میں تمہاری اطاعت کر لیں تو تم پر ان کا رزق ان کی پوشش کا بندوبست زمانہ کے عام اوضاع کے مطابق واجب ہے۔ وہ تمہارے پاس اللہ کی ایک امانت کے بطور ہیں۔ تم نے کتاب اللہ کے مطابق ان کی شرمگاہوں کو اپنے لئے حلال کرنا چاہا ہے تو اللہ سے اپنی عورتوں کے بارے میں خوف کرو اور اپنے بعد والوں سے بھی ان کے لئے بہتر وصیت کرو۔"

ہم نے ارشاد رسول کا ترجمہ پیش کر دیا۔ اب اس ارشاد کے بعد کون سا مسلمان ہے جو اپنی بیوی کو اپنی جاگیر، اپنی لونڈی، اپنی خدمت گذار سمجھنے کی ہمت کر سکے۔ مطابق ارشاد حضرتؐ عورت جب اللہ کی امانت ہے تو ہر مسلمان کے لئے لازم ہے کہ وہ اس کے ساتھ امانت جیسا سلوک کرے، کسی خیانت کا مرتکب نہ ہو۔ عورت اور مرد تمدن و معاشرت کی گاڑی کے دو پہیے ہیں اور سفر حیات میں اس گاڑی کے لئے ان دونوں پہیوں کی سخت ضرورت ہے دنیا کے اکثر مذاہب نے تاہّل سے پرہیز کرنے کی نصیحت کی ہے لیکن اسلام نے تاہل کو سنت قرار دیا اور شدت کے ساتھ اس کی تاکید فرمائی ارشاد رسولؐ ہے (ترجمہ) نکاح میری سنت ہے، جو شخص میری سنت سے بچے وہ ہم میں سے نہیں ہے، اور ایک دوسرے موقع پر ارشاد ہوا (ترجمہ) تمہارے مردوں میں بدترین مرد وہ ہیں جو بغیر تزویج دنیا سے اٹھ گئے۔ رسولؐ اسلام نے عورت کی حرمت کے لئے اتنا زور دیا کہ عرب میں لفظ حریم عمومیت کے ساتھ عورت ہی کے لئے استعمال ہونے لگا۔

اسلام نے عورت کو چونکہ مرد کے ظالمانہ اقتدار سے نجات دلائی تھی اور اس کو مجلس مملوکیت سے نکال کر اپنے نفس کا مختار بتایا تھا، اس لئے اس نے ضروری سمجھا کہ نکاح میں ایجاب عورت کی طرف سے ہو اور قبول مرد کی جانب سے ہو۔ یہ بھی ایک صورت تھی کہ ایجاب مرد کی طرف سے ہو اور قبول عورت کی جانب سے ہو لیکن اس صورت میں دباؤ سے اور بکراہت قبولیت کا شبہ باقی رہ سکتا تھا لیکن اس کو ایجاب کا مقام دے کر یہ بات واضح کر دی کہ اس کے نفس پر سوائے اس کے کسی کو بھی اختیار نہیں ہے، وہ اپنے نفس کی ہر طرح مالک و مختار ہے، صرف اپنے نفس کو دوسرے کی سپردگی یا قیادت میں دے رہی ہے اور اپنی رائے سے دوسرے کے لئے اپنے کو حلال کر رہی ہے اور دوسرا اس کی خواہش قبول کر رہا ہے۔ گویا نکاح کے سلسلہ میں عورت کو حاکمیت حاصل ہے اور مرد محکوم ہے تاکہ اس طرح نکاح میں عورت کی آزادی نفس کا اظہار ہوتا رہے اور دنیا بھر میں کوئی شوہر اپنی زوجہ کو اپنی مملوک یا خادمہ تصور نہ کر سکے۔

نکاح ایک اخلاقی و دینی معاہدہ ہے جس کے ذریعہ عورت مرد پر حلال ہوتی ہے اور مرد پر عورت کا نفقہ ولباس اور حسب رواج وقت رہن سہن کا ضروری انتظام واجب ہو جاتا ہے۔ اگر عورت وظیفہ زوجیت کو پورا کرنے میں عمداً کوتاہی کرے تو وہ

عہد شکنی کی مجرم قرار دی جائے گی اور اگر مرد وظیفہ زوجیت کو پورا نہ کرے یا بحالت اطاعت اس کے نفقہ، اس کے لباس اور اس کی آسائش کے ضروری انتظام سے گریز کرے یا بغیر کسی مجبوری کے اس میں کوتاہی کرے تو وہ معاہدہ شکن قرار پائے گا۔ نکاح میں تو عورت کو اسلام نے پورا پورا مختار بتایا ہے لیکن طلاق ایسی شے ہے جس میں اس نے عورت کو اختیار کلی عطا نہیں کیا اور چونکہ یہ بات بقائے حسن معاشرت کے لئے بہت ضروری تھی اس لئے اس کا خصوصی لحاظ رکھا گیا۔ نیز مقتضائے عدل بھی یہی صورت تھی کہ جس کو اختیار نکاح دیا ہے اس کو ہی اختیار فسخ نہ دے بلکہ اختیار فسخ وطلاق دوسرے فریق کو دے تاکہ دونوں کی حیثیت برابر ہوجائے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ اختیار فسخ وطلاق مرد کو دیا گیا۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت سے مصالح ہیں مثلاً جس طرح مرد کی فطرت میں کچھ کمزوریاں ہیں اسی طرح عورت کی فطرت میں بھی کچھ نقائص ہیں۔ بالعموم عورتیں اپنے لئے کسی بات کو طے کر لینے میں جلد باز ہوتی ہیں وہ زیادہ غور وفکر کو پسند نہیں کرتیں اور جذبات سے مغلوب ہوکر اپنے لئے فیصلہ کر لیتی ہیں۔ یہ وہ بات ہے جس سے انکار کرنے کی کسی ہوش مند عورت کو جرأت نہیں ہوسکتی۔ یہ ممکن ہے کہ بعض عورتیں ایسی نہ ہوں لیکن ان کی غالب اکثریت بالکل ایسی ہی ہے تو اگر فسخ یا طلاق کا حق بھی عورت کے ہاتھ میں دے دیا جاتا تو ہلکے سے اختلاف اور معمولی ناراضگی میں بنے بنائے گھر بگڑ جایا کرتے اور معاشرت کا سارا حسن تباہ ہوکر رہ جاتا مگر اسلام نے یہ حق نہ دیتے ہوئے یہ ان کو اختیار دے دیا ہے کہ وہ نکاح یا طلاق کی خواہش کر سکتی ہیں اگر ان کی خواہش حق بجانب ثابت ہوتو حاکم شرع شوہر کو طلاق دے دینے کا حکم دے سکتا ہے اور اگر شوہر اس پر سرتابی کرے تو وہ خود نکاح کو فسخ کر سکتا ہے۔

ضرورت طلاق ایک ایسی ضرورت تھی جس کو آج سے چودہ سو برس پہلے اسلام نے محسوس کیا اور اپنے پیروؤں کو چند شرطوں کے ساتھ اس کی اجازت دے دی اسلام کا مقصد اس قانون سے حسن معاشرت کو باقی رکھنا تھا۔ یہ بات اور ہے کہ سرمایہ دار مسلمان اس کو اپنی بوالہوسی کے لئے استعمال کرنے لگے اور اس کے تمام شرائط سے قطع نظر کر کے خواہش نفس کا بندہ بن جائے۔ خوش عقیدہ مسلمان کو ہر وقت اپنے پیش نظر رسول اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وہ حدیث رکھنا چاہئے جس میں حضرت نے فرمایا کہ زن مومنہ کو بے قصور طلاق دینے سے عرش الٰہی ہل جاتا ہے۔ طلاق سے عنوان زندگی میں ایک عظیم انقلاب آجاتا ہے۔ جو لوگ اس کو غلط طور پر استعمال کرتے ہیں ان سے یہاں اس دنیا میں بھی مواخذہ کیا جا سکتا ہے اور روز معاد تو یقینا ان سے سخت مواخذہ کیا ہی جائے گا۔

ہر حیوان میں فطرتاً نر کو مادہ پر فوقیت حاصل ہے، یہ کیوں؟ اور کس لئے؟ اس کا جواب صرف فطرت ہی دے سکتی ہے کہ اس نے یہ صورت کیوں رکھی ہے اور چونکہ انسان بھی ایک حیوان ہے لہٰذا اس کی دونوں صفتوں میں صنف مرد من حیث الصنف عورت سے قوی ہے۔ یہ وہ حقیقت ہے جس کو تمام دانش وروں نے خواہ وہ قدیم ہوں یا جدید تسلیم کیا ہے۔ پچھلے حکماء کے پاس تفحص حالات کے وہ ذریعے نہ تھے جو جدید دانشوروں کے پاس ہیں لہٰذا ہم اس سلسلہ میں بعض جدید دانشوروں کے تجربات کو پیش کر رہے ہیں۔

فرید وجدی آفندی نے المرأۃ المسلمہ میں تحریر کیا ہے جس کا ترجمہ مولانا آزاد نے فرمایا ہے (انیسویں صدی کا انسائیکلو پیڈیا کا مصنف لفظ عورت پر بحث کرتے ہوئے لکھتا ہے: مرد عورت میں اعضائے تناسل کی ترکیب وصورت کا اختلاف اگرچہ اک بڑا اختلاف نظر آتا ہے لیکن صرف یہی ایک اختلاف نہیں ہے۔ عورت کے تمام اعضا سر سے پیر تک مرد کے اعضا سے مختلف ہیں یہاں تک کہ وہ اعضا بھی جو بظاہر آخر الذکر سے بے حد مشابہ نظر آتے ہیں)۔ قد وقامت ہی کو لے لیجئے فرید وجدی لکھتے ہیں (علمی تجربہ نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ عورت کے قد کا اوسط طول مرد کے قد کی اوسط درازی سے بارہ سینٹی میٹر کم

ہے یہ فرق کسی خاص ملک یا قوم سے تعلق نہیں رکھتا بلکہ جس طرح وحشی اقوام میں پایا جاتا ہے، اسی طرح متمدن ممالک میں بھی پایا جاتا ہے اور جوانوں کے علاوہ بچے بھی اس اختلاف کی شہادت دیتے ہیں) (مسلمان عورت: مولانا ابوالکلام آزادؔ)

اس سے آگے چل کر وہ لکھتے ہیں (جس طرح قد کے اوسط میں فرق پایا جاتا ہے اسی طرح جسم کے وزن اور ثقل میں بھی اختلاف ہے۔ مرد کے جسم کا متوسط ثقل ۴۷ رکلو ہے مگر عورت کے جسم کا متوسط ثقل مرد کے ثقل سے پانچ کلوکم ہے۔) عضلات کے حجم وقوت کے لحاظ سے ہی عورت مرد کے مساوی نہیں ہے۔ ڈاکٹر وفارینی انسائیکلوپیڈیا میں لکھتا ہے (مجموعی حیثیت سے اگر دیکھا جائے تو عورت کے جسم کے عضلات مرد کے عضلات سے اس درجہ مختلف ہیں اور حجم وقوت کے لحاظ سے اول الذکر کے اس قدر ضعیف ہیں کہ اگر ان کی طبعی قوت کے تین حصے کئے جائیں تو دو حصہ قوت مرد کے حصہ میں آئے گی اور صرف ایک حصہ قوت عورت میں ثابت ہوگی۔ عضلات کی حرکت کی سرعت اور ضبط کا بھی یہی حال ہے۔ مرد کے عضلات جس میں عورت کی نسبت حرکت میں زیادہ تیز اور اپنے فعل میں زیادہ قوی ہیں، (مسلمان عورت: مولانا ابوالکلام آزادؔ) اب لیجئے قلب ودماغ کو تو قلب کے متعلق ہم یہ عرض کریں گے کہ اس میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے۔ علمی تجربہ سے ثابت ہو چکا ہے کہ سانس کے ذریعہ کاربولک ایسڈ کے جوذرات باہر آتے ہیں وہ اندرونی حرارت کی تیزی سے بخارات بن کر سانس میں ملے ہوئے نکلتے ہیں۔ اس تجربہ کی بنا پر تحقیق کیا گیا تو معلوم ہوا کہ مرد ایک گھنٹہ میں تقریباً گیارہ ڈرام کاربن مقدار جلا دیتا ہے مگر عورت چھ ڈرام سے کچھ زائد ہی جلاتی ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ عورت کی حرارت غریزی بھی مرد کے مقابلہ میں بہت کم یا نصف سے کچھ زائد ہی ہے اور حکمائے قدیم نے حرارت غریزی کا مرکز قلب کو تجویز کیا ہے ادراک وشعور کا اصل مرکز دماغ ہے اور اس کی بیشی اور ضعف وقوت ہر ادراک کی تیز وستی وکمی وبیشی کا دارومدار ہے۔ لیکن جب سائیکلو جیا کے تجارت کو پیش نظر رکھ کر ہم غور کرتے ہیں تو اس میں بھی عورت ضعیف تر دیکھائی دیتی ہے۔ علم مذکور نے ثابت کر دیا ہے کہ عورت کے بھیجے اور مرد کے بھیجے میں وزن اور شکل کے لحاظ سے کافی اختلاف ہے۔ مرد کے بھیجے کے وزن کا اوسط عورت کے بھیجے کے وزن سے سو ڈرام زیادہ ہے۔ اگر کوئی اس کے جواب میں یہ کہے کہ یہ زیادتی عورت ومرد کے جسمانی اختلاف پر مبنی ہے تو یہ بھی غلط ہوگا کیوں کہ تحقیق ہو چکا ہے کہ مرد کے بھیجے کی مقدار اس کی جیسی حالت سے وہ نسبت رکھتی ہے جو چالیس کے عدد کو ایک سے ہوتی ہے مگر عورت کا بھیجا اس کی جسمانی حالت سے چوالیس اور ایک کی نسبت رکھتا ہے تو اگر عورت کے بھیجے کی کمی جسمانی ضعف پر مبنی تھی تو مقابلتاً یہ اختلاف کیوں پایا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ عورت کے بھیجے میں خم و پیچ نہایت کم ہیں اور پردوں کا نظام بھی مقابلتاً نامکمل ہے۔ علمائے سائیکولوجی نے اس اختلاف کو دونوں جنسوں کے ممیزات میں ایک اہم امر قرار دیا ہے۔ اسی طرح مرد اور عورت کے بھیجوں کے جوہر میں بھی سخت اختلاف پایا جاتا ہے اور یہ جوہر سنجابی قوت ادراک کا نقطہ مرکزی ہے اس لئے یہ اختلاف کوئی معمولی اختلاف نہیں۔

(دیکھئے الامرأۃ المسلمہ)

اس کے علاوہ مرد وعورت کے دماغ کا وہ حصہ جسے مُخیخ نام دیا جاتا ہے جو بھیجے کا آخری حصہ ہوتا ہے اس میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے۔ مرد کے دماغ میں بھیجے کے ساتھ مُخیخ کی نسبت ۱ راور ۸ ر ۷ / ۲ کی ثابت ہوئی ہے مگر عورتوں کے دماغ میں زیادہ سے زیادہ ۱ راور ۱ / ۲ کی نسبت ہوتی ہے اس مقام پر یہ بھی سمجھ لینا چاہئے کہ مُخیخ دماغ کے ان اجزا میں سے ہے جن کی مقدار کی زیادتی پر عقل کی اور فکر کی تیزی اور عمدگی کا دارومدار ہے۔ (مسلمان عورت: مولانا ابوالکلام آزادؔ) مذکورہ حقائق سے کوئی صاحب فکر صرف نظر نہیں کرسکتا اور اسی کے پیش نظر ہم یہ فیصلہ کرنے پر مجبور ہیں کہ طلاق کا اختیار جو عائلی وتمدنی زندگی کے لئے دور رس

اثرات رکھتا ہے اس کے لئے فطرت کا تقاضہ ہے کہ وہ مرد کے سپرد کیا جائے مگر اس کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ عورت کے مفادات کی حفاظت پیش نگاہ اس کو بھی کچھ ایسی قانونی سہولتیں عطا کی جائیں جن کے ذریعے وہ غلط شوہروں کے ناروا اور ظالمانہ عمل کا شکار نہ ہوسکیں۔

اب سے تیس چالیس سال قبل غیر مسلم مشنریوں کی طرف سے محض جواز طلاق کے سلسلہ میں اسلام پر سخت ترین حملے کئے جاتے رہے ہیں۔لیکن اب جبکہ علم کی روشنائیاں تیز ہوتی جارہی ہیں،اپنے مذاہب کے اختلاف کے باوجود تقریباً ہر متمدن ملک نے اپنے یہاں کی عورتوں کو حق طلاق قانوناً دے دیا ہے۔اوراس سلسلہ میں ہے اسلام پر معترض ہونے کی مشنری کو جرأت نہیں ہے۔

دنیا کے پورے غیر اسلامی معاشرے میں نیز قریب قریب تمام مذاہب میں عورت شادی سے قبل ماں باپ کے لئے بمنزلہ مملوک تھی اور بعد شادی وہ شوہر کی اسی طرح مملوک اور کنیز یا لونڈی سمجھی جاتی تھی۔لیکن اسلام نے اس کو آزادی کے اس مقام سے متعارف کیا جو اس کا فطری مقام تھا اور اس کو اپنی جان اپنے نفس اور اپنے جسم کا مکمل مختار بنادیا۔

اسلام میں ذات خداوند کے بعد سب سے اہم ذات رسولؐ اسلام کی ہے ہر مسلمان کا اعتقاد ہے کہ بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر۔ خداوند عالم جس جس چیز کا مالک ہے بحیثیت نہایت الہیہ رسولؐ بھی اس چیز کے مالک قرار پائیں گے۔اب یہاں غور طلب امر یہ ہے کہ ان کے مقابلے میں آئین اسلام نے صنف زناں کو کیا مقام دیا اور حضرت کے بالمقابل اس صنف کی آزادی کا کہاں تک لحاظ رکھا ہے۔ ظاہر ہے کہ آئین اسلام نے پیغمبرؐ کے بالمقابل عورتوں کی آزادی کا جتنا احترام رکھا ہوگا تو عام مردوں کے بالمقابل ان سے یعنی رسولؐ کی نسبت سے زیادہ نہ سہی تو کم از کم ان کے برابر تو ضرور رکھا ہی ہوگا۔رسول کی بیویاں ایسی عورتیں ہیں کہ محض نسبت زوجیت رسول کے باعث اب دنیا میں ان کا کوئی نہیں رہا اور رسول کے احترام ہی میں بعد رسول کسی شخص سے بھی ان کا عقد جائز نہیں ہے اور ان سے نسبت زوجیت کے باعث ہی کیا گیا کہ یانساء النبی لستن کا حدمن النساء ان اتقیتن۔ (سورہ احزاب آیت ۳۲) اے نبی کی بیویو! تم اگر تقویٰ شعار ہو تو عام عورتوں میں سے کسی ایک کی مثل نہیں ہو یعنی بشرط تقویٰ تمہارا مقام نسبت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے باعث عام عورتوں سے ہر طرح بلند وبالا ہے۔ ایسے باعظمت رسول کے مقابل ان عورتوں کے لئے ارشاد حضرت باری ہے۔ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُل لِّأَزْوَاجِكَ إِن كُنتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا فَتَعَالَيْنَ أُمَتِّعْكُنَّ وَأُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيلًا۔ (سورہ احزاب آیت ۲۸) یعنی اے نبیؐ! اپنی بیویوں سے کہہ دو کہ اگر تم زندگانی دنیا اور اس کی زینت کا ارادہ رکھتی ہو تو آؤ تم کو کچھ دے دلا کر خوبصورتی کے ساتھ رخصت کردوں۔ ظاہر ہے کہ یہ خطاب ان بیویوں سے ہے جو ابھی تک واقعتاً تقویٰ شعار نہیں ہیں اس لئے کہ جو دنیاوی عیش وعشرت کا خواہشمند ہو اس کو تقویٰ سے کیا لگاؤ ہوسکتا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ اسی تنبیہ سے وہ تقویٰ شعار بن گئی ہوں۔ بہر حال اس آیت سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ دین فطرت نے اپنے عظیم تر رسولؐ کے مقابلہ میں بھی عورتوں کو اتنی آزادی دی ہے کہ ان سے ارشاد ہے۔ تم اپنی بیویوں سے کہہ دو کہ اگر تم میرے ساتھ فقر وفاقے کی زندگی گذارنا نہیں چاہتی تو میں تمہاری خواہش کے مطابق تم کو خوبی کے ساتھ رخصت کئے دیتا ہوں۔ یہ حکم تو رسولؐ کے مقابلہ میں تھا۔ عام زن وشو کے اختلاف کے سلسلہ میں ایک ایسی صورت اختیار کی گئی جو معاشرہ کی اصلاح کے لئے بہتر سے بہتر صورت ہوسکتی تھی ارشاد ہوا اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَى النِّسَاءِ مرد عورتوں کے لئے سردھرے ہیں اور اس کے بعد سردھرے ہونے کی دو وجہیں ظاہر فرمائیں۔ ایک وجہ تو یہ کہ اس کی یہ سنت ہے کہ بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے اور جیسا کہ ہم اس سے خیال ظاہر کر چکے ہیں کہ مرد بلحاظ قویٰ عورت پر فضیلت رکھتا ہے تو وہی سردھرا ہونے کا بھی اہل ہے۔ دوسری وجہ اس نے یہ بتائی کہ مرد عورتوں کے اخراجات کے

کفیل ہیں اس کے بعد اس نے عورتوں کی دو قسمیں کیں۔ ایک وہ جو نیک کردار ہیں ارشاد ہوا فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ۔ (سورۂ نساء آیت ۳۴) یعنی جو نیک بی بیاں ہیں وہ اطاعت شعار ہیں اور اللہ کی عنایت اور اس کی حفاظت کے ذریعہ وہ شوہر کے پیٹھ پیچھے اس کی ہر شے کی حفاظت کرتی ہیں۔ اس کے بعد وہ دوسری قسم کا یعنی جو نیک کردار نہیں ہیں یوں ذکر فرماتا ہے وَ الّٰتِيْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَ هُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ وَ الْمَضَاجِعُ وَ اضْرِبُوْهُنَّ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلاً۔ (سورۂ نساء آیت ۳۴) یعنی وہ عورتیں جن کے لئے نشور یعنی نافرمانی اور بغض و دشمنی کا تم خوف کرتے ہو ان کو اول نصیحت کرو اور اگر اس پر بھی ان کا کردار درست نہ ہو تو ان سے صحبت ترک کرو اور اگر اس پر بھی وہ اطاعت اختیار نہ کریں اور اپنی حرکتوں سے باز نہ آئیں تو ان کو ہلکی ضرب سے اپنا مطیع بنانے کی کوشش کرو۔ پس اگر وہ تمہاری اطاعت کرنے لگیں تو اب تم ان پر الزام رکھنے کی راہ تلاش نہ کرو۔ یہ صورت حال ان زن وشو کے لئے ہے جن میں عورت خفیف العقل ہوتے ہوئے بد طینتی اختیار کرلے اس لئے جو علاج بتائے گئے وہ خفت عقل و ناسمجھی کے مقابلہ میں موثر ترین علاج بن سکتے ہیں۔ اس کے بعد قرآن ان زن وشو کے متعلق جن میں دونوں صفتیں ہوشیار و باشعور ہوں اور ان میں اختلافات جڑ پکڑ لیں یوں حکم دیتا ہے ارشاد ہوا۔ وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَماً مِّنْ اهله وَحَكَماً مِنَ اَهْلِهَا اِن يُرِيدَا صَلاحاً يُوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا۔ (سورۂ نساء آیت ۳۵) یعنی تمہیں اگر زن وشو میں نفاق و عداوت پیدا ہو جانے کا خوف ہو تو ایک حکم مرد کے اہل میں سے مقرر کرو اور ایک حکم عورت کے اہل میں سے تو اگر وہ دونوں اصلاح چاہیں گے تو ان دونوں میں موافقت پیدا کردے گا۔ آیت صاف صاف بتارہی ہے کہ قانون کے پیش نگاہ اصلاح ہے لیکن حکم تو وہی کہا جاسکتا ہے جس کو پورا پورا اختیار دے دیا گیا لہذا ان حکمین کو بھی پورے اختیارات کے ساتھ حکم بننا چاہئے اور اول جس طرح ہی ممکن ہو اصلاح کی کوشش کرنا ضروری ہے۔ اگر اصلاح ممکن نہ ہو اور اختلاف حد سے تجاوز کر گیا ہو تو پھر ان دونوں کو اختیار ہے کہ زن وشو میں افتراق کردیں اور دو زندگیوں کو تباہ ہونے سے بچالیں۔ ایسے حالات میں معاشرے کی اصلاح کے لئے ایک ہی راستہ ہے۔ حکم اسلام واضح ہے کہ اختلاف و عداوت کا اگر خوف ہی پیدا ہو گیا ہو تو دونوں پر واجب ہے کہ وہ اپنی اپنی طرف سے حکم بتادیں اور وہ حکم اپنا فیصلہ صادر کریں لیکن حکمین کے امتثال امر میں دونوں کی طرف سے یا کسی ایک طرف سے اگر کچھ تساہل ہو تو یہ فریقین یا ان دونوں میں سے کسی کا قصور ہوگا۔ اسلام کے اندر اس سلسلہ میں کوئی کمی نہیں چھوڑی گئی ہے وہ ہر طرح مکمل ہے اور حسن معاشرہ کے لئے مفید تر ہے لیکن اس حقیقت کے اظہار میں مجھے قطعاً جھجک نہیں کہ ہمارے رواجی قانون اور ہماری غلط رسموں نے قانون اسلام کی اکثر دفعوں کو بالکل معطل کردیا ہے۔ بالکل ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاید وہ قوانین ہمارے رواج اور ہماری رسموں کے آگے منسوخ ہو گئے ہیں۔

(اشاعت اولیٰ سلسلۂ اشاعت امامیہ مشن، لکھنؤ نمبر ۱۴۷)